AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اقبال اور آئینہ فردا: چند تحقیقی پہلو

IQBAL AND VISION OF FUTURE: SOME RESEARCH DIMENSSIONS

ڈاکٹر ایوب ندیم

ایسو سی ایٹ پروفیسر (اردو)

منہاج یونیورسٹی، لاہور

نبیلہ عادل

پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)

منہاج یونیورسٹی، لاہور

محمد صفدر

پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)

منہاج یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Allama Muhammad Iqbal has inspired people with his philosophy, knowledge, understanding of life and wisdom through his poetry and addresses. Also, his thoughts and vision have made an impression on people. These predictions are recognized both nationally and internationally. Many of his predictions have come true. His ideology about feudalism, people living in the east and their standards is also worthwhile. His approach is a true reflection of his future awareness, perseverance and understanding of life. On one side he directs people of the east towards efforts and determination and on the other side he predicts about a new ray of hope, a new life and a new beginning. There are different segments, areas and philosophy that covers his ideology, but in this research article, our focus is only on some aspects of his ideology and vision.

Keywords:*Allama Iqbal, Thoughts, Wisdom, Vision ,Predictions ,Idealogy, Awareness,Determination,Muslim Nation, Efforts,Leadership.*

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، افکار، دانش و تدبر، بصیرت، پیش گوئیاں، نظریہ، آگاہی، عزیمت، ملتِ اسلامیہ، مساعی، قیادت

علامہ محمد اقبال کی تخلیقی شخصیت ہمہ جہت تھی، جو فکر و فلسفہ، علم و حکمت، تدبر و فراست اور شعر و سخن کے اوصاف سے متصف تھی۔ وہ محض شاعر نہ تھے، مفکر بھی تھے۔ جس طرح وہ محض فلسفی ہی نہیں، سیاسی مدبر بھی تھے۔ مولانا روم، کارل مارکس اور سارتر نے بطور تخلیق کار اپنے نظریات سے اپنے اپنے خطے کو متاثر کیا، اسی طرح علامہ اقبال نے بھی اپنے نظریے اور تفکر سے ایک جہان کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ اُن کا حلقۂ اثر مشرق اور مغرب کے کئی مفکروں اور فلسفیوں سے وسیع ہے۔ شاعری تو ان کا ذریعہ اظہار تھی، جس نے ان کے نظریات و افکار کو اپنی طشتری میں اٹھا رکھا تھا۔ اُن کے علمی تبحر اور فکری تعمق کے اگرچہ گوشے مختلف تھے، لیکن ان کے اظہار کا سب سے موثر ذریعہ بہر حال ان کی شاعری ہی تھی۔ شیخ عبدالقادر مدیر "مخزن" اردو زبان اور شعر گوئی پر اقبال کی دسترس کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"زبان اردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا، جس کے کلام کا سکّہ ہندوستان بھر کی اردو داں دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے" (۱)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اقبال نے اپنے علمی تنوع اور فکری عمق سے نہ صرف اپنے عہد کی متغیر قومی اور عالمی صورتِ حال کو بہ نظر غائر دیکھا، اُس کا تجزیہ کیا اور اُس کے مختفی پہلوئوں کو آشکار کیا، بل کہ ایک "جہانِ نو" کی نوید بھی دی جب وہ یہ کہ رہے تھے:

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد (۲)

اور

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر (۳)

تو در حقیقت اُن کی نگاہِ بصیرت مستقبل کا وہ منظر نامہ دیکھ رہی تھی، جس سے دنیا بھر کے انسان، بالخصوص جنوبی ایشیا کے مسلمان ابھی تک نا آشنا تھے۔ اقبال کے مخاطب ایشیا کے لوگ تھے، خواہ وہ کسی بھی ملک یا خطے میں بستے ہوں۔ ان میں جنوبی ایشیا کے مسلمان ظلم و زیادتی، غربت و افلاس، استحصال اور غلامی کی چکی میں بُری طرح پس رہے تھے، جس کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا کی کیفیت میں تھے۔ حالات کی ٹھوکروں نے انھیں پتھر بنا دیا تھا۔ وہ کاہلی، سستی اور بے حسی کا شکار ہو چکے تھے۔ اقبال اُنھیں اس صورتِ حال سے نکالنا چاہتے تھے، چناں چہ وہ اِس خطے کے لوگوں کو پیغامِ جستجو دے رہے تھے اور ایک ایسے "جہانِ تازہ" کی تصویر دکھا رہے تھے، جس کی عنانِ زمان و مکاں انسان کے ہاتھوں میں ہو، ایسے انسان کے ہاتھوں میں جو مردِ کامل ہو۔ یہی وہ محرک تھا جو اقبال کی زبان سے کہلوا رہا تھا:

اپنی دنیا آپ پیدا کر، اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے، ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی (۴)

بیسویں صدی کے نصف اوّل تک یورپ میں جمہوریت کا بول بالا ہو چکا تھا۔ اِس جمہوری نظام کے سبب سے مغربی اقوام خود کو دنیا کی مہذب ترین قوم میں تصور کرنے لگی تھیں۔ اہلِ مغرب نے جمہوریت کی جو تعریف وضع کی تھی، وہ تھی: "لوگوں کی حکومت، لوگوں کے ذریعے، لوگوں پر"۔ لیکن اقبال اِس سرمایہ دارانہ سنہری جال میں قید ہوتے ہوئے مزدوروں، محنت کشوں اور مفلسوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اہلِ مغرب کی طرف سے جمہوریت کی وضع کردہ یہ تعریف، فریبِ محض کے سوا کچھ نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا غلام قوموں سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ ان کے لیے محض ایک سراب ہے۔ مغربی اقوام اس سنہری جال کے ذریعے ان کے عرصۂ غلامی کو مزید طول دینا چاہتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جس زمانے میں مغربی قوتیں جمہوریت کا راگ الاپ رہی تھیں، اقبال اُسے ہدفِ تنقید بنا رہے تھے اور مغربی طرزِ سیاست سے اپنی بے زاری کا اظہار کر رہے تھے۔ چناں چہ اگست ۱۹۳۵ میں جب اقبال بھوپال گئے، تو انھوں نے شیش محل میں قیام کے دوران جو شعر لکھے، وہ ان کے اِسی نقطہ نظر کے عکاس ہیں:

تری حریف ہے یارب! سیاستِ افرنگ   مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تُو نے   بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس (۵)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مغربی سیاست اور جمہوریت سے اقبال کی ایک نفرت کو ان کے مغربی تہذیب و تمدن اور نظریات و افکار سے بیزاری کا ہی ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اقبال بنیادی طور پر تقلیدِ مغرب کے خلاف تھے۔ وہ "شمع و شاعر" کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"روشن مستقبل کی نوید سناتے ہوئے بھی اقبال مغرب سے احتراز کی تلقین ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اقبال کے نزدیک زوالِ مسلم کا بہت بڑا (اور دورِ حاضر میں غالباً سب سے بڑا) سبب ایک طرف مسلمانوں کی تقلیدِ مغرب (سادگی اپنی بھی دیکھ) اور دوسری طرف مغرب کی سیاست (اوروں کی عیاری بھی دیکھ) ہے۔" (۶)

سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سادگی اور اہلِ مغرب کی عیاری سے تو اقبال آشنا تھے ہی، اس کے ساتھ ساتھ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی چالوں سے بھی خوب واقف تھے، جو جمہوریت کے پردے میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ضرورت مندوں اور کمزوروں کو اپنا محکوم بنانا چاہتا تھا۔ چناں چہ اقبال کی مغربی طرزِ سیاست اور جمہوریت سے نفرت کا ایک

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اہم سبب یہ تھا کہ وہ جمہوری نظام کے پردے میں اقتصادی وسائل پر قابض قوتوں کو عام انسانوں پر غالب ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مغرب کا موجودہ منظر نامہ اقبال کی اِس سوچ پر دال ہے کہ آج مغرب کی سیاسی جماعتیں اور حکومتیں پس منظر میں رہنے والے اہلِ ثروت کے حصار میں ہیں۔ انہی کی اعانت سے نہ صرف وہاں کی سیاسی جماعتیں چلتی ہیں، بلکہ وہاں حکومتیں بھی انہیں کے طفیل قائم ہوتی ہیں۔ اِسی طرح یہودی لابی اپنے معاشی استحکام کے باعث پس پردہ رہ کر بھی مغرب کے طاقت ور ملکوں پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟ یہ کہانی اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہی۔ مسئلہ عام آدمی کا ہے، جو کل بھی اپنے جملہ حقوق سے محروم تھا اور جو آج بھی اپنی منزل سے دور ہے۔ اقبال کی مغربی جمہوریت سے بے زاری کا دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ مغربی جمہوریت کو جنوبی ایشیا کے تناظر میں دیکھ رہے تھے۔ یہاں کے عوام کے مسائل یورپ میں رہنے والوں سے کہیں زیادہ تھے۔ نہایت کم شرح خواندگی، مسلمانوں کی بدحالی اور اس پر بے روزگاری کا عفریت، ایسے مسائل تھے، جن کی موجودگی میں جاگیر دار اور معاشرے کے دیگر طاقت ور طبقے بہ آسانی جمہوری نظام پر قابض ہو سکتے تھے۔ اقبال مزدور کے استحصال کے باعث سرمایہ دارانہ نظام کو ناپسند کرتے تھے، جس کا ایک واضح اظہار اُن کی نظم "خضرِ راہ" میں ملتا ہے جس میں وہ سرمایہ، محنت اور سلطنت کے بارے میں اپنے نظریات بیان کرتے ہوئے ایسی سلطنت کو بھی ناقابلِ قبول قرار دیتے ہیں جو طاقت ور طبقوں / قوموں کی مرضی سے ظہور پذیر ہو، کیوں کہ اس سے قومی خودی کو نقصان پہنچتا ہے۔ خضرِ راہ، طلوعِ اسلام اور ساقی نامہ میں بھی سرمایہ اور محنت کے مابین کش مکش دکھائی دیتی ہے، جو اس بات کی غماز ہے کہ اقبال کو محنت کش کا استحصال کسی صورت قبول نہ تھا۔ اُن کے نزدیک اس استحصال کا ذمہ دار سرمایہ دار ہے، جو جمہوریت کے لبادے میں چھپا ہوا ہے:

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ　　خواجگی نے خوب چُن چُن کے بنائے مسکرات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار　　انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات(۷)

یہ وہ بنیادی اسباب ہیں، جو اقبال کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ جمہوریت کو مسترد کر دیں۔ وہ ملوکیت کو شیطانی نظام سمجھتے تھے، تو سرمایہ دارانہ نظام کو ملوکیت کا ایک اہم حصّہ۔ جمہوریت ان کے خیال میں آزادی کا پروانا نہیں، غلامی کا ایک ذریعہ ہے:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام　جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب　　تُو سمجھتا ہے اسے آزادی کی نیلم پری　(۸)

اقبال کے نزدیک آزادی کا تصور ہندوستان سے محض تاجِ برطانیہ کے خاتمے تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ اس خطے کے لوگوں کے لیے ایسی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی آزادی کے خواہاں تھے، جس کی بنیاد خود مختاری پر ہو۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ جنوبی ایشیا کے عوام عدم سیاسی فہم و فراست میں کمی اور معاشی مجبوریوں کے باعث ابھی ایسی آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ برصغیر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ہندوئوں کی اکثریت ہے۔ پھر ہندو انگریز گٹھ جوڑ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آزادی کی صورت میں انگریز تو برصغیر سے چلا جائے، مگر ان کے جانے کے بعد جمہوریت کی آڑ میں ہندو غالب آ جائیں، حکومت بنا لیں اور مسلمانوں کو انگریزوں کے بعد ہندو راج برداشت کرنا پڑے۔ اکثریت کا یہ تسلط اقبال کو منظور نہ تھا۔ چناں چہ جمہوریت پر اُن کا ایک اہم اعتراض یہ تھا:

جمہوریت، اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں　　بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے　(۹)

انسانوں کو گننے اور تولنے میں بڑا فرق ہے۔ اقبال نیابتِ الٰہی کو مسلمان کی منزلِ مقصود سمجھتے تھے، پھر اُن کی نظر میں تمام لوگوں کی رائے مساوی قدر و قیمت کی حامل کیسے ہو سکتی تھی! ہندو اکثریت کا غلبہ تو ایک خوف ناک تصور تھا قیامِ پاکستان کے بعد ہی دیکھ لیجیے، پاکستان کی ستر سالہ تاریخ شاہد ہے کہ یہاں کے عام لوگ جمہوریت کے ثمرات سے آج بھی محروم ہیں۔ ہمارے لیے جمہوریت ایک دلکش نعرہ ضرور ہے، لیکن اس کی آڑ میں سرمایہ دار اور جاگیر دار ملکی وسائل پر قابض ہو چکے ہیں۔ ایک عام آدمی کے لیے تعلیم، صحت، روزگار اور چھت آج بھی محض ایک خواب ہے، جس کی تعبیر کا تصوّر بھی محال ہے۔ اسی لیے اقبال ہر شعبے میں اجتہاد کے خواہاں تھے۔ ذرا سوچیے! کیا ہمارے سیاسی نظام میں اجتہاد کی ضرورت نہیں؟

بیسویں صدی کے ربع اوّل میں مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو سب سے زیادہ جس سے خطرہ لاحق ہوا، وہ کمیونزم یا اشتراکی نظام تھا۔ انقلابِ روس کے بعد دنیا بھر کے مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں میں کمیونزم کا ایسا چرچا ہوا کہ یورپ کو اپنی مضبوط سلطنت کی بنیادیں ہلتی ہوئی نظر آئیں۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان 'جہاں بھی تھے، نہایت

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کٹھن دور سے گزر رہے تھے۔ ایک طرف اشتراکیت کی گھٹا چھا رہی تھی، تو دوسری جانب مسلمان عالمی سطح پر محکوم ہو رہے تھے۔ اشتراکیت کے اس چڑھتے ہوئے طوفان کے سامنے یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام بھی لرزہ بر اندام تھا، جسے بچانے کے لیے یورپی ممالک مزدوروں اور محنت کشوں کے حق میں معاشی اصلاحات کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اُس دور میں یوں لگتا تھا، جیسے دنیا کا آئندہ نظام "کمیونزم" ہو گا۔ دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح جنوبی ایشیا کے باشندے بھی اشتراکیت کے گُن گانے لگے تھے۔ یہاں کے ادیب، شاعر اور اہلِ قلم ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو کر کارل مارکس کے نظریات کا پرچار کر رہے تھے۔ یہ سب لوگ کمیونزم کا ظاہری عروج دیکھ رہے تھے، جب کہ اقبال کمیونزم سے ذرا بھی خائف نہ تھے۔ اُن کی نگاہِ دوررس میں مستقبل کا کچھ اور ہی منظر تھا۔ انھوں نے ۱۹۳۶ میں ایک طویل نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" لکھی۔ اس نظم میں ابلیس اپنے مشیروں کی آرا سننے کے بعد اشتراکیت یا مُزدکیت کے مستقبل کو اس طرح بیان کرتا ہے؛

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک — مُزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد — یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مُو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمّت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے — مُزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے (۱۰)

یہ ہے اقبال کی فکری بصیرت، جو ابلیس سے یہ کہلوا رہی تھی کہ آنے والے زمانے میں مُزدکیت بے اثر ہو جائے گی۔ اس کا جادو زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔ مستقبل میں شیطانی نظام کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ اشتراکیت سے نہیں، اسلام سے ہے۔ گویا آنے والا دور اسلام اور مسلمانوں کا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس نظم کا فکری پہلو اِن لفظوں میں اجاگر کرتے ہیں:

> "ابلیس کو مستقبل میں اسلام کے فروغ کا زبردست خدشہ ہے۔ چنانچہ وہ مشیروں کو خبردار کرتا ہے کہ اسلام، ایسے جامع نظریۂ حیات سے ہوشیار رہو۔ کیونکہ اس میں بعض ایسی خوبیاں موجود ہیں جو اس کی متوقع مقبولیت کا سبب بن سکتی ہیں۔ "(۱۱)

اسلام کے درخشاں مستقبل کی حقیقت اقبال پر عیاں تھی، کیونکہ اُن پر باطنِ ایّام روشن تھا۔ وہ جانتے تھے کہ امن و سلامتی اور اخوت و محبت کا پیغام دینے والا یہ دینِ فطرت اپنی تعلیمات سے رفتہ رفتہ پوری دنیا پر غالب آجائے گا۔ عصرِ حاضر کے حالات اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ اقبال کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ کمیونزم کے بادل ایک صدی میں ہی چھٹ گئے، اس کا مرکز و محور "روس" شکست و ریخت کا شکار ہو گیا۔ اشتراکی نظام کے حامل ملکوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ کمیونزم کا پرچار کرنے والی تنظیمیں دم توڑ گئیں اور یورپ اس نتیجے پر پہنچا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے استحصالی حربوں کو اگر کوئی چیلنج درپیش ہے تو وہ صرف اسلام سے ہے۔

۱۹۳۵ء میں اقبال نے جو دو مختصر نظمیں "مشرق" اور "جمعیت اقوامِ مشرق" لکھیں، بہت اہم ہیں۔ پہلے نظم "مشرق" کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

مِری نوا سے گریبانِ لالہ چاک ہوا — نسیمِ صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی
نہ مصطفیٰ، نہ رضا شاہ میں نمود اس کی — کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی (۱۲)

اور اب "جمعیتِ اقوام مشرق" کے اشعار دیکھیے:

پانی بھی مسخر ہے، ہوا بھی ہے مسخر — کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے
دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب — ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
تہران ہو اگر عالمِ مشرق کا جنیوا — شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے (۱۳)

ان نظموں کا زمانۂ تصنیف وہ دور ہے، جب عالمِ اسلام سمیت مشرق کے بیش تر ممالک عہدِ غلامی میں سانس لے رہے تھے۔ صرف ایک اسلامی ملک "افغانستان" آزاد تھا۔ اسی زمانے میں جو دوسرا ملک آزادی کے حصول میں کامیاب ہوا، وہ ترکی تھا، جہاں اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کی قوم نے از خود آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس طرح تازہ

بستیاں آباد ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود اقبال تذبذب میں تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اقبال عالمِ مشرق کے مستقبل کو اس عہد کے تناظر میں ہی نہیں، نگاہِ استقبال سے بھی دیکھ رہے تھے۔ چناں چہ دوسری نظم "جمعیتِ اقوامِ مشرق" میں وہ ایک ایسے مرکز کی نشان دہی کرتے ہیں، جو اُن کے خیال میں اقوامِ مشرق کے اتحاد کا ذریعہ بن سکتا ہے اور عرب و عجم میں ایک پُل کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔ انہیں یقین تھا کہ اقوامِ مشرق کے اتحاد سے ہی کرہ ارض کی تقدیر بدل سکتی ہے، ملوکیتِ افرنگ کا غلبہ ختم ہو سکتا ہے اور عالمی قیادت عالمِ مشرق کو حاصل ہو سکتی ہے۔ بصیرتِ اقبال کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ایرانی معاشرے کے ٹھہرے ہوئے سمندر کی تہہ میں اُبھرتی ہوئی لہریں دیکھ رہے تھے، جو آنے والے دور میں کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھیں۔ یہ کلامِ اقبال کا اعجاز ہے، جس نے ایرانی قوم اور فکرِ اقبال کے مابین ایک مستقل رابطے کو استوار کیا۔ اہلِ ایران، اقبال کے افکار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اقبال کو بھی انقلابِ ایران کے فکری رہنماؤں میں شمار کیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر علی شریعتی لکھتے ہیں:

"تہذیبی نوآبادکاری سے آزادی اور خود مختاری کی جدوجہد مسلم معاشروں میں بھی شروع ہو گئی۔۔۔ ابتدائی تحریکیں باشعور مذہبی مفکروں کے زیرِ اثر اُبھریں۔۔۔ محمد بن عبدہ نے قرآن کی طرف لوٹنے کا نظریہ اور علامہ اقبال نے خودی کا فلسفہ پیش کیا اور تمام مسلمان مفکروں کو اسلام کے مذہبی فکر میں اجتہاد کی دعوت دی۔ اُن کا مقصد اسلامی معاشروں کو بیدار کرنا تھا۔ "(۱۴)

گویا اقبال کا وجدان انقلاب کے ذریعے ایران میں ملوکیت کو منہدم ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چناں چہ یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ ایران کے مستقبل کا جو خواب اقبال نے دیکھا تھا، اُس کی تعبیر کا نہ صرف آغاز ہو چکا ہے بلکہ اس کا سفر مسلسل آگے بھی بڑھ رہا ہے۔ فلسطین پر اسرائیلی جارحیت کے تناظر میں حالیہ ایران اسرائیل جنگ تہران کی دینی حمیت، ملی خودداری اور مرکزیت کی غمازی کرتی ہے۔

کلامِ اقبال کے غائر مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال جملہ اقوامِ مشرق کی بیداری کے خواہاں تھے۔ وہ یہ جان چکے تھے کہ مشرق میں آزادی کی لہریں رفتہ رفتہ مضطرب ہو رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق" میں اہلِ مشرق کی بیداری اور تحرک کی نوید سناتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

"غیر ملکی حاکموں اور ملکی شہنشاہوں کی بدولت مشرقی قومیں جس افیونی ماحول میں زندگی بسر کر رہی تھیں اور جن غیر ملکی تصورات اور عقائد کی وجہ سے اپنی تہذیبوں کے تخلیقی امکانات سے محروم ہو گئی تھیں، اقبال اس ماحول کے رخصت ہو جانے کی خبر دیتے ہیں۔ انھیں مشرق کے ضمیر میں انقلاب کی صدائیں گونجتی نظر آتی ہیں"۔ (۱۵)

دراصل اقبال کو اُس روشنی کا ادراک ہو گیا تھا، جو ابھی تاریکی کے بطن میں پروان چڑھ رہی تھی۔ ترکی میں تبدیلی ضرور رونما ہوئی تھی، لیکن ابھی مشرق کی وسیع سرزمین گہری تاریکی کی زد میں تھی، روشنی کی کسی نئی کرن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسے میں اقبال اہلِ مشرق کو مغرب کی سامراجی اور استعماری قوتوں سے نجات کا مژدہ سنا رہے تھے:

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ ۔۔۔ مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ (۱۶)

اقبال کی بصیرت کا ایک اور نمایاں مظہر اُن کا خطبہ الٰہ آباد ہے، جس میں انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ وہ اس کا اظہار خطبہ الٰہ آباد سے بھی چار سال قبل علامہ اثر سے ایک نجی ملاقات میں کر چکے تھے۔ (۱۷) تاہم خطبہ الٰہ آباد میں علامہ اقبال نے ہندوستان میں ایک نئی مسلم ریاست کے قیام کا تصور زیادہ صراحت اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ منعقدہ الٰہ آباد سے صدارتی خطاب میں اقبال نے کئی اہم امور پر اپنے خیالات کا مفصل اظہار کیا، جن میں یورپ کی جمہوری تاریخ، اہلِ ہندوستان کے باہمی معاملات، سائمن رپورٹ، گول میز کانفرنس، ہندوستان کا دفاعی نظام، متبادل انتظامی ڈھانچہ اور ہندوستان میں ایک نئی مسلم ریاست کے قیام کی ضرورت و اہمیت شامل تھے۔ اس تاریخی خطبے میں انھوں نے ایک نئی مسلم مملکت کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا:

"The Muslims demands for the creation of a Muslim India within India is, therefore, perfectly justified... I have no doubt that this

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

house will emphatically endorse the Muslim demands embodied in it. I Personally,I would go further than the demands embodied in it. I would like to see the Punjab, North-West Frontier Provience Self Sind and Baluchistan amalgamated into a single state. government within the British Empire or without the British Empire, the formation of a consolidated north-west Indian Muslim State appears to me to be the final destiny of the Muslims,at least of North-West India." (18)

اقبال کا ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان کے قیام کا تصور دراصل تصورِ پاکستان تھا۔انھوں نے واضح طور پر کہا کہ اگر ہم اسلام کو ایک تمدنی قوت کے طور پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے اور وہ علاقہ ضروری نہیں کہ تاج برطانیہ کے زیرِ اثر ہو۔۱۹۳۰ سے ۱۹۳۲ء تک حکومتِ برطانیہ نے تین گول میز کانفرنس منعقد کیں،جو گاندھی کی شاطرانہ سیاست کے باعث ناکام ہو گئیں۔قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھی مایوس ہو کر انگلستان میں ہی قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔اسی دوران میں قائداعظم اور علامہ اقبال کے مابین بڑی اہم مراسلت ہوئی۔اقبال صرف قائداعظم کو ہی مسلمانانِ ہند کی قیادت کے لائق سمجھتے تھے۔انہوں نے قائداعظم کو ایک خط میں لکھا:

”اس وقت مسلمانوں کو اس طوفانِ بلاخیز میں جو شمالی ہندوستان اور شاید ملک کے گوشے گوشے سے اٹھنے والا ہے،صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے رہنمائی کی توقع ہے“(۱۹)

اقبال کو قائداعظم محمد علی جناح سے بہت سی امیدیں تھیں۔وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں مدبرانہ قیادت کی اشد ضرورت ہے،اُن کے خیال میں برصغیر کی مٹی بڑی زرخیز تھی،مسلمان آزادی کے جذبے سے سرشار تھے۔گویا اقبال،جہاں محمد علی جناح کو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتے تھے،وہاں اس خطے کے مسلمانوں سے بھی مایوس نہیں تھے۔اُن کی نگاہِ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ ہندوستان کے ٹھہرے ہوئے سمندر کی تہ میں ایک طوفانِ بلاخیز پروان چڑھ رہا ہے۔اقبال،محمد علی جناح کو بار بار وطن واپس آکر مسلمانوں کی قیادت کی دعوت دیتے رہے،لہٰذا اقبال کے مسلسل اصرار پر بالآخر ۱۹۳۴ء میں قائداعظم وطن واپس آگئے اور انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت سنبھال کر اسے از سرِ نو منظم کرنا شروع کیا۔تاریخ شاہد ہے کہ چند ہی برسوں میں مسلمانانِ برصغیر بیدار ہو گئے۔انھوں نے قائداعظم کی قیادت میں حصولِ پاکستان کی عظیم الشان جدوجہد کی۔اقبال تو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے،لیکن ان کے بعد بھی حصولِ آزادی کا سفر جاری رہا۔۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قراردادِ پاکستان منظور ہوئی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی ریاست دنیا کے نقشے پر اُبھری۔یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس دور کے کتنے ہی علماء اور سیاست دان تھے جو اُس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے،جو اقبال کے سامنے اظہر من الشمس تھی:

سرورِ رفتہ باز آید کہ ناید نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے دگر دانائے راز آید کہ ناید

حوالہ وحواشی

۱۔ عبدالقادر،شیخ،دیباچہ (بانگِ درا)،مشمولہ:کلیاتِ اقبال (علامہ محمد اقبال)،مرتبہ:منیر احمد نعیم،لاہور،الفیصل ناشران،ستمبر ۲۰۱۱ء،ص ۳۱
۲۔ اقبال،(۲۰۱۱)،کلیاتِ اقبال (مرتبہ:منیر احمد نعیم)،لاہور الفیصل ناشران،ص ۴۲۹
۳۔ ایضاً،ص ۵۲۹
۴۔ ایضاً،ص ۳۱۶
۵۔ اقبال،محمد،علامہ،سیاستِ افرنگ (نظم)،مشمولہ:کلیاتِ اقبال،محولہ بالا،ص ۶۸۶،۶۸۷

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

٦۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اقبال کی طویل نظمیں، فکری وفنی مطالعہ ،لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ٧٦

٧۔ اقبال، سرمایہ ومحنت (نظم)، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، محولہ بالا، ص ۳۲۱

۸۔ اقبال، سلطنت (نظم)، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، محولہ بالا، ص ۳۱۹

۹۔ اقبال، جمہوریت (نظم)، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، محولہ بالا، ص ٦۹۲

۱۰۔ اقبال، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، محولہ بالا، ص، ٧۳۱، ٧۳۰

۱۱۔ رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، محولہ بالا، ص ۲۳۰

۱۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، محولہ بالا، ص ٦۸٦

۱۳۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، محولہ بالا، ص ٦۹۰۔٦۹۱

۱۴۔ علی شریعتی، ڈاکٹر، تہذیب، جدیدیت اور ہم، (ترجمہ: ڈاکٹر سعادت سعید) لاہور، اقبال شریعتی فاؤنڈیشن، ۱۹۹۱

۱۵۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، اقبال: ایک ثقافتی تناظر، لاہور، دستاویز مطبوعات، س ن، ص ۳۱

۱٦۔ اقبال، روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے، (نظم)، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، محولہ بالا، ص ۵۱۰

۱٧۔ علامہ اثر نے اپنی تصنیف "The road to Macca" میں لکھا ہے کہ وہ ۱۹۲٦ میں لاہور آئے تو علامہ اقبال سے ملے۔ اقبال نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے-؟ تو انھوں نے جواب دیا: ترکستان۔ اس پر اقبال نے کہا: یہاں ٹھہر جاؤ، یہاں ایک نئی مسلم ریاست وجود میں آنے والی ہے، اُس کے سیاسی نظام کی تشکیل کے لیے تمھاری ضرورت پڑے گی۔

18- Latif Ahmed Sherwani, Speeches, writnigs and statements of Iqbal, Lahore, Iqbal Academy, 1945(4th edition), P-11

۱۹۔ مظفر حسین برنی، سید، مرتبہ: کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (جلد چہارم)، جہلم، جہلم بک کارنز، ۲۰۱٦، ص ۵۰۳